اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن مجید کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ایچ۔ یم۔ حسین ٹرسٹ
H. M. Husain Trust

اطاعت رسول ﷺ

قرآن مجید کی روشنی میں

خطبات دکن سیریز (۲)

اطاعت رسول ﷺ

قرآن مجید کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ناشر

ایچ-یم-حسین ٹرسٹ

H. M. Husain Trust

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول

ستمبر ۲۰۱۶ء مطابق ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ

کتاب : اطاعت رسول (ﷺ) قرآن مجید کی روشنی میں

مصنف : بلال عبدالحی حسنی ندوی

صفحات : چالیس (۴۰)

تعداد : ایک ہزار (۱۰۰۰)

انتساب

محترم تایاباپا صاحبؒ

(تایا انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی)

ناشر

ہچ۔یم۔حسین ٹرسٹ

H. M. Husain Trust

E-Mail: hmhamuwash@yahoo.com

Cell: +91-7095168679

فہرست

اطاعت رسول (ﷺ) قرآن مجید کی روشنی میں

عقیدہ وعمل میں اطاعت رسول.......... ۹

اطاعت کی ترغیب.......... ۱۱

ظاہری طور پر بات نہ ماننے کا نتیجہ.......... ۱۴

ہر حال میں اطاعت.......... ۱۵

نافرمانوں کا انجام.......... ۱۶

اہل کتاب کا انکار.......... ۲۰

ماننے پر اللہ کا خاص انعام.......... ۲۳

کفار ومنافقین کا طرز عمل.......... ۲۴

اطاعت رسول پر سب سے بڑا انعام خداوندی.......... ۲۵

اسوۂ حسنہ.......... ۲۶

فیصلہ کن.......... ۳۱

عظمت واطاعت.......... ۳۲

اسوۂ کاملہ.......... ۳۴

اطاعت مطلقہ.......... ۳۵

ایمان کا تقاضہ.......... ۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
قرآن مجید کی روشنی میں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایمان کا حصہ ہے، جو شخص آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ضروری نہ سمجھے وہ ایمان سے خارج ہے، یہ سمجھنا کہ صرف قرآن مجید پہنچا دینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا وہ آپ نے پہنچا دیا اب اس پر عمل کر لینا ہی کافی ہے، پیغام قرآن کے منافی ہے، فہم قرآن کے خلاف ہے اور بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے قرآن پر عمل ممکن ہی نہیں، ایک تو اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں اعمال کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس کی تفصیلات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں، جب تک آدمی ان تفصیلات سے واقف نہ ہو اس وقت تک وہ ان احکامات قرآنی پر عمل نہیں کر سکتا، دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں بیسیوں جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کی جائے اب اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتا گویا کہ وہ قرآنی حکم کو ضروری نہیں سمجھتا، اور کسی بھی قرآنی حکم کو ضروری نہ سمجھنا انکار قرآن کے مرادف ہے۔

ہدایت کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ جوڑا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور: ٥٤)

(اور اگر تم ان کی بات مانو گے تو ہدایت پا جاؤ گے)

ہدایت کا راستہ تنہا یہی ہے کہ ہر معاملہ میں آپ ﷺ کے دیئے ہوئے راستہ پر چلا جائے، اس سے بات واضح ہوگئی کہ جو جتنا زیادہ اسوۂ رسول ﷺ کو اختیار کرے گا اتنا ہی وہ ہدایت پر ہوگا، اسی لیے سورۂ فاتحہ میں ہدایت کی جو دعا بار بار مانگی جاتی ہے:

﴿اهدِنَــا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ﴾ (الفاتحة:٦)

(ہمیں سیدھا راستہ لے چل)

اس کے فوراً بعد یہ کہہ دیا گیا:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعمتَ عَلَيهِم﴾ (الفاتحة: ٧)

(ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا)

اور ظاہر ہے منعم علیهم بندوں میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء ﷺ کا ہے، اس سے بھی یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ہدایت کا حصول آپ ﷺ کی پیروی سے جڑا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں آنحضور ﷺ کی اطاعت کا حکم مختلف پیرایوں میں دیا گیا ہے، اور اطاعت نہ کرنے پر سخت وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَالرَّسُولَ فإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران: ٣٢)

(آپ کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی بات مانو پھر اگر وہ منھ پھیر لیں تو اللہ انکار کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)

اس آیت شریفہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اطاعت نہ کرنا کفر کے قریب پہنچا دیتا ہے، اب اگر کوئی محض غفلت کی بنا پر کوتاہی کرتا ہے تو اس کا عمل نہایت نامناسب ہے، اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ وہ غفلت میں پڑ کر حضور ﷺ کا مبارک طریقہ چھوڑیں اور اگر کوئی روگردانی کرتا ہے، جان بوجھ کر اعراض کرتا ہے اور اطاعت کو ضروری نہیں

سمجھتا تو وہ کفر تک پہنچ جاتا ہے، حقیقت میں "تولّی" کے معنی ہی یہی ہیں یعنی جان بوجھ کر اعراض کرنا، آپ ﷺ کی کسی بات سے اعراض اور انکار کفر ہے۔

سورۂ نساء کی ایک آیت میں بات اور صاف کردی گئی کہ آنحضور ﷺ کی اطاعت حقیقت میں اللہ کی اطاعت ہے، اگر کوئی اللہ کی اطاعت کرنا چاہتا ہے تو اس کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنی ہوگی، ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظاً﴾ (النساء: ۸۰)

(جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پھر گیا تو ہم نے آپ کو ان پر کوئی داروغہ بنا کر نہیں بھیجا)

آیت کا اگلا حصہ جہاں آپ ﷺ کی تسلی کے لیے ہے وہیں اس میں اطاعت نہ کرنے والوں اور انکار کرنے والوں کے لیے ایک دھمکی بھی ہے، اگر لوگ آپ کی بات نہیں مانتے، پیروی نہیں کرتے، تو اس کا آپ ﷺ کو نہ کوئی نقصان ہے اور نہ آپ پر کوئی ذمہ داری ہے، لیکن نافرمانی کرنے والوں کے لیے سخت خطرہ کی بات ہے۔

اگلی آیت میں یہ وضاحت بھی کی جارہی ہے کہ صرف زبان سے اطاعت کا اقرار کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ یہ اقرار دل کی گہرائیوں کے ساتھ ہو، ورنہ تو یہ نفاق کی قسم ہے، منافقین کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلاً﴾ (النساء: ۸۱)

(اور وہ کہتے ہیں فرماں برداری قبول ہے پھر جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ایک گروہ راتوں رات جو بات آپ کہہ رہے تھے اس

کے خلاف مشورے کرتا ہے اور وہ جو کچھ راتوں کو مشورے کرتے ہیں
اللہ وہ سب لکھ رہا ہے، بس آپ ان سے اعراض کیجیے اور اللہ پر
بھروسہ رکھیے اور کام بنانے کے لیے اللہ ہی کافی ہے)

سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَطِيعُواْ اللَّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَاحْذَرُواْ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُواْ أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلاَغُ الْمُبِينُ﴾ (المائدة: ۹۲)

(اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور چوکنے رہو پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کا کام تو صاف صاف پہنچادینا ہے)

اس آیت میں بڑی احتیاط کی ہدایت کی جارہی ہے کہ کوئی کام بھی نافرمانی کا نہ ہو، اور آدمی پھونک پھونک کر قدم رکھے اور ہوشیار رہے کہ کوئی قدم بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف نہ اٹھنے پائے۔

اسی مضمون کی آیت سورۂ تغابن میں بھی ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلاَغُ الْمُبِينُ﴾ (التغابن: ۱۲)

(اور اللہ کی اور رسول کی بات مانو پھر اگر تم منہ پھیرتے ہو تو ہمارے رسول کی ذمہ داری تو (پیغام) صاف صاف پہنچادینا ہی ہے)

قرآن مجید میں جابجا اللہ کے ساتھ اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے، ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُواْ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (الأنفال: ۱)

(اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اگر تم واقعی ایمان والے ہو)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ایمان کی بنیاد قرار دیا جارہا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ (الأنفال: ٢٠)

(اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور اس سے روگردانی مت کرو جبکہ تم سن رہے ہو)

سورۂ انفال میں ارشاد ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الأنفال:٤٦)

(اور اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور آپس میں جھگڑا مت کرنا ورنہ تم ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور جمے رہو بیشک اللہ جمنے والوں کے ساتھ ہے)

عقیدہ وعمل میں اطاعت رسول

سورۂ محمد کی ایک آیت میں فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:٣٣)

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی بات مانو اور رسول کی بات مانو اور اپنے کاموں کو برباد مت کرو)

اس آیت کے دو پہلو ہیں ایک پہلو وہ ہے جس کا تعلق عمل سے ہے، اور دوسرا پہلو عقیدہ سے تعلق رکھتا ہے، انسان اگر عمل میں کوتاہی کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اس میں نہیں کرتا تو وہ گویا عمل کا صرف ایک ڈھانچہ ہے جس کے اندر جان نہیں، قبولیت کی صلاحیت نہیں، وہ عمل اپنے اندر جو طاقت رکھتا ہے وہ

طاقت جب ہی پیدا ہوگی جب وہ عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کیا جائے، ورنہ گویا کہ وہ عمل باطل ہے، بے حقیقت ہے۔

دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق عقیدہ سے ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ضروری سمجھنا ایمان کا حصہ ہے، اور آیت میں پوری وضاحت ہے کہ اللہ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور رسول کی بھی، اور حقیقت یہ ہے کہ رسول کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت ممکن ہی نہیں، اب اگر کوئی رسول کی اطاعت کو ضروری نہیں سمجھتا تو اس کا عقیدہ اسلام کے مطابق باقی نہیں رہ جاتا، اس کے بعد وہ کتنا ہی اچھا کام کرے، بڑی بڑی نیکیاں انجام دے سب بے حقیقت اور باطل ہیں، اس لیے آیت میں فرمایا کہ اپنے اعمال کو بیکار نہ کرو یعنی اعمال کی قبولیت کا مدار ایمان پر ہے اور ایمان اس وقت معتبر ہوگا جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کو ضروری سمجھا جائے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا﴾

(الحجرات: ١٤)

(اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کروگے تو وہ تمہارے کاموں میں کچھ بھی کم نہ کرے گا)

اعراب (بدوؤں) سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی جن میں بہت سے صرف فائدہ اٹھانے کے لیے مسلمان ہوگئے تھے، نہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی کو ضروری سمجھتے تھے اور نہ اسلام کی تعلیمات سے واقف تھے، ان سے کہا جارہا ہے کہ اگر تم اطاعت کو فرض عین جانو اور اس میں کوتاہی نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا پورا اجر تمہیں عطا فرمائے گا، اس لیے کہ اعمال کی قبولیت ایمان پر منحصر ہے، اور ایمان جب ہی قابل قبول ہے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے۔

اطاعت کی ترغیب

جس طرح اطاعت نہ کرنے پر سخت وعیدوں کا تذکرہ ہے اسی طرح اطاعت کرنے پر وعدوں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بھی جابجا تذکرہ کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (النور:٥٦)

(اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی بات مانتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو)

اس آیت سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اقامت صلاۃ اور ایتاء زکوۃ اسی وقت ممکن ہے جب اطاعت رسول ہو، جب اعمال اطاعت رسول کے ساتھ کئے جائیں گے تو اللہ کی رحمت متوجہ ہوگی، اسی مضمون کو دوسری آیت میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (التوبة: ٧١)

(اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، وہ بھلائی سکھاتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہونے والی ہے بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے)

اس آیت شریفہ میں بھی سب کاموں کے بعد بنیادی کام جو مذکور ہے وہ اطاعت ہے، اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی، اس سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ

سب کاموں کی قبولیت اطاعت پر منحصر ہے، اور جب اطاعت ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت متوجہ ہوگی:

﴿أُولَـٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ﴾ (التوبة: ۷۱)

(یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہونے والی ہے)

ایک جگہ عمومی انداز میں یہ بات کہی گئی:

﴿وَأَطِيعُواْ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾(آل عمران: ۱۳۲)

(اور اللہ اور رسول کی پیروی کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے)

سورۂ نساء کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقاً☆ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ عَلِيماً﴾

(النساء: ۶۹-۷۰)

(اور جو لوگ اللہ اور رسول کی پیروی کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین وشہداء اور نیکوکار اور یہ کیا ہی خوب ساتھی ہیں، یہ فضل اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ ہی کا علم کافی ہے)

اس آیت شریفہ میں اطاعت پر اللہ کی طرف سے بڑے مرتبہ کا ذکر ہے، ایسا شخص انبیاء وصدیقین کے ساتھ ہوگا، لیکن یہاں یہ ملحوظ رہے کہ عملی طور پر یہ اطاعت زندگی کے ہر شعبہ میں پائی جائے، آدمی پھونک پھونک کر قدم رکھے کہ کہیں قدم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ نہ جائے۔

آیت کے آخری حصہ سے یہ بات بھی واضح کی جارہی ہے کہ یہ سب کچھ محض

ارادہ ہی سے نہیں ہوتا، ارادہ اور کوشش کے ساتھ اللہ سے دعا کی جائے کہ اس کی مدد اور فضل سے ہی سب کام ممکن ہیں اور ﴿كَفَى بِاللّٰهِ عَلِيماً﴾ کا جملہ بتا رہا ہے کہ محض دعویٰ کافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں سب کھرا کھوٹا کھلا ہوا ہے، کتنا حصہ عمل کا اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے، اور کتنا حصہ اس سے ہٹا ہوا ہے سب اللہ کے علم میں ہے، اس لیے دھیان رکھنے کی ضرورت ہے، کوشش پوری کی جائے، اللہ سے مدد طلب کی جاتی رہے اور دھیان قائم رکھا جائے تو انشاء اللہ اللہ کا ایسا بندہ متبع سنت حقیقت میں شمار کیے جانے کے قابل ہے۔

سورۂ نساء میں میراث کی تقسیم کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ☆ وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (النساء: ۱۳-۱۴)

(یہ اللہ کے (طے کردہ) حدود ہیں اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرے گا اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہی زبردست کامیابی ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے (طے کردہ) حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کرے گا اسی میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا اور اس کے لیے بڑا ذلت آمیز عذاب ہے)

قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی اللہ کی اطاعت کا تذکرہ ہے وہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی تذکرہ ہے، اس سے دو باتیں صاف کی گئی ہیں ایک تو یہ

کہ نجات کے لیے تنہا اللہ کی اطاعت کافی نہیں، رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے گرچہ رسول کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے، جیسا کہ گزر چکا کہ

﴿مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾

(جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی)

لیکن وہ باتیں جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائیں اور ان کی نسبت ظاہر میں اللہ کی طرف نہیں فرمائی ان سب پر عمل کرنا ضروری ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت ممکن نہیں، اللہ کے احکامات کی تشریحات وتفصیلات کا تنہا ایک ہی ذریعہ ہے، اور وہ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی ہے، آیت شریفہ میں بات دوٹوک انداز میں کہہ دی گئی ہے جو کوئی اطاعت کرے گا اس کو جنتوں میں داخل کیا جائے گا، اور جو نافرمانی کرے گا اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا، اور اپنے کیئے کی سزا اس کو بھگتنی پڑے گی۔

ظاہری طور پر بات نہ ماننے کا نتیجہ

غزوۂ احد کے موقع پر آنحضور ﷺ نے "جبل الرماۃ" پر تیر اندازوں کو متعین فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ کسی صورت میں وہاں سے نہ ہٹیں لیکن جب فتح نظر آنے لگی اور لوگ مال غنیمت کی طرف بڑھے تو ان لوگوں کو بھی خیال ہوا کہ ذمہ داری پوری ہوگئی اور ان میں سے ایک تعداد اپنی جگہ سے ہٹی، اس ظاہری نافرمانی کا نتیجہ ظاہری شکست کی شکل میں سامنے آیا، اور امت کو یہ پیغام دیا گیا کہ اسے ہر صورت میں اپنے نبی کی بات ماننی ہے، ارشاد ہوا:

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (آل عمران: ۱۵۳)

(جب تم اوپر چڑھتے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے اور

رسول پیچھے سے تمہیں آوازیں دے رہے تھے تو اس نے تمہیں تنگ کرنے کی پاداش میں تنگ کیا تا کہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور نہ اس پر جو تمہیں مصیبت لاحق ہوئی اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے)

''جبل الرماۃ'' سے لوگوں کے ہٹنے کے بعد خالد بن الولید جو اس وقت مشرکوں کے ساتھ لڑ رہے تھے ان کو موقع مل گیا انہوں نے پشت سے حملہ کیا جس سے مسلمان تتر بتر ہو گئے اور پہاڑ پر چڑھنے لگے، آنحضور ﷺ آواز دے رہے تھے مگر ہنگامہ میں آواز سنائی نہیں پڑتی تھی، بالآخر حضرت کعب بن مالک نے چلاّ چلاّ کر پکارا تو لوگ جمع ہوئے، اللہ فرماتا ہے:

﴿فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ﴾

(تو اس نے تمہیں تنگ کرنے کی پاداش میں تنگ کیا)

یعنی ایک غلطی کی وجہ سے صورت حال بگڑ گئی اور اس کا نقصان اٹھانا پڑا۔

ہر حال میں اطاعت

اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت ہر حال میں لازم ہے، صحابہ تو اولین مخاطب تھے اور ان کی اطاعت کا حال یہ تھا کہ ایسی فرمانبرداری کے نمونے شاید ہی دیکھنے میں آئیں، شراب کی حرمت کا اعلان ہوا، آنحضور ﷺ نے قاصد بھیجا تا کہ لوگوں کو بتادے، آنحضور ﷺ کی طرف سے اعلان ہوا اور لوگوں نے منہ سے لگے جام توڑ دیئے، (۱) ایک مرتبہ خطبہ کے لیے آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ لوگ بیٹھ جائیں جو جہاں کھڑا تھا وہیں بیٹھ گیا، جو حضرات ابھی مسجد میں داخل ہو رہے تھے وہ دروازے ہی پر بیٹھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ارے تم وہیں بیٹھ گئے آگے آجاؤ، انہوں نے فرمایا کہ ابن

---

(۱) صحیح مسلم: ٤١٢٦

ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو زیبا نہیں کہ آپ فرمائیں بیٹھ جاؤ پھر وہ کھڑا رہے، (١) ایک صحابی ریشم کا لباس پہن کر آئے، آنحضور ﷺ نے ناپسندیدگی ظاہر فرمائی، وہ مجلس سے نکل کر گئے اور اتار کر اس کو آگ لگادی، لوگوں نے کہا کہ عورتوں کے کام آجائے گا ضائع نہ کرو، کہنے لگے کہ جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے ناپسند کیا اس کو باقی رکھنا مجھے گوارہ نہیں (٢) اس طرح کے نہ جانے کتنے واقعات ہیں جو اطاعت کے باب میں عنوانات کا درجہ رکھتے ہیں اور رہتی دنیا تک کے لیے نمونہ ہیں، ایسے حضرات کے بارے میں قرآن مجید آپ ﷺ کی زبانی کہلواتا ہے:

﴿فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾

(آل عمران: ٢٠)

(پھر بھی اگر وہ آپ سے حجت کریں تو آپ فرما دیجیے میں نے اور میری بات ماننے والوں نے اپنی ذات کو اللہ کے حوالہ کر دیا ہے)

آنحضور ﷺ نے ایسے لوگوں کو اللہ کے حکم سے اپنے ساتھ شامل فرمایا ہے اور یقیناً یہ حضرات صحابہ کے لیے ایک بڑی گواہی ہے۔

نافرمانوں کا انجام

بات نہ ماننے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے انجام کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد جگہ کیا گیا ہے، ایک جگہ ان کی حسرت و یاس کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْأَرْضُ﴾ (النساء: ٤٢)

(جنھوں نے انکار کیا اور رسول کی بات نہ مانی اس دن وہ تمنا کریں گے کہ کاش کہ وہ مٹی میں ملا دیئے گئے ہوتے)

---

(١) سنن أبی داؤد: ١٠٩٣ (٢) سنن أبی داؤد: ٤٠٦٨

سورۂ انفال میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں اور ان سے دشمنی مول لینے والوں کو سخت آگاہی دی جارہی ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾

(الأنفال: ۱۳)

(اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے تو بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے)

اور حقیقت یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی نافرمانی وہی کرے گا جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلے گا، اس کے سامنے صرف اپنی چاہتیں اور دولت وعزت کی ہوس ہوگی، اس کو نہ سچ کی تلاش ہوگی اور نہ وہ اپنے خالق و مالک کی طرف سے آئے ہوئے حق کو پہچاننا چاہے گا، ارشاد ربانی ہے:

﴿فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص: ۵۰)

(پھر اگر وہ آپ کا جواب نہیں دیتے تو جان لیجیے کہ وہ بس اپنی خواہشات پر چلتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلے، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)

جو لوگ اسلام ظاہر کرتے تھے اور ان کے اندر کفر ونفاق بھرا ہوا تھا وہ آنحضور ﷺ کی مجلس میں آتے تھے، اور لگتا تھا کہ بہت توجہ سے بات سن رہے ہیں، لیکن جب باہر نکلتے تو تمسخر کا انداز اختیار کرتے اور ان کے اندر کا نفاق باہر آنے لگتا تھا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو مہر بند کر دیا ہے،

اور فرمایا کہ یہ خواہش پرست اور نفس پرست لوگ ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفاً أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءهُمْ﴾ (محمد: ١٦)

(اوران میں وہ بھی ہیں جو کان لگا کر آپ کی بات سنتے ہیں پھر جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ انھوں نے ابھی کیا کہا؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات پر چلے ہیں)

ایک آیت میں کفر کا اللہ کے راستہ سے روکنے اور اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی کرنے کا ایک ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے اور پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ چیزیں وہ ہیں جو بڑے سے بڑے کام کو بے کار کر دیتی ہیں اور ایسا کرنے والے کسی کا نقصان نہیں کرتے بلکہ اپنا نقصان کرتے ہیں، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئاً وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ﴾ (محمد: ٣٢)

(یقیناً جنھوں نے انکار کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا اور اپنے پاس راہ ہدایت آنے کے بعد بھی رسول سے دشمنی کی وہ ہرگز اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے اور وہ ان کے سب کام غارت کر دے گا)

سورۂ نساء میں بھی اسی مضمون کو وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴿ (النساء: ۱۱۵)

(اور جو صحیح راستہ سامنے آجانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور اہل ایمان کے راستہ سے ہٹ کر چلے گا تو وہ جدھر بھی رخ کرے گا اسی رخ پر ہم اس کو ڈال دیں گے اور اس کو جہنم رسید کریں گے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے)

اس آیت شریفہ میں "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" سے بڑے حقائق سامنے آتے ہیں، ایک طرف اطاعت کے دائرہ کو وسیع کیا جارہا ہے، اس کی تفصیلات سے آگاہ کیا جارہا ہے، اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی بیان کی جارہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے حضرات صحابہ وہ ہیں کہ مکمل اطاعت کرکے مطیع سے مطاع کے درجہ پر فائز ہوئے اور پھر ہر دور میں ایسے لوگ رہیں گے جو اطاعت کاملہ کا مظہر ہوں گے اور مکمل اطاعت کرکے ان کو بھی یہ مقام حاصل ہوگا کہ وہ خود اطاعت کے قابل ہوں گے، ان کا ہر ہر عمل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل کے پوری طرح مطابق ہوگا، اس لیے ان کی اطاعت بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوگی، اور امت میں ایک ایسا طبقہ ہر دور میں رہے گا جو گمراہی کا شکار نہیں ہوگا اور اس کا کسی بات پر متفق ہوجانا اس بات کے حق ہونے کی دلیل سمجھی جائے گی، یہ وہی طبقہ ہوگا جس کی عملی زندگی بھی پوری طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوگی، اسی لیے ایک حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تجتمع أمتي على ضلالة"(۱)

(میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوسکتی)

---

(۱)جامع بیان العلم وفضله، فی باب معرفة اصول العلم......رقم: ۷۳۰

اہل کتاب کا انکار

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دو قومیں ایسی تھیں جن کے پاس سابقہ کتب سماویہ کسی نہ کسی شکل میں موجود تھیں، گرچہ ان میں شدید تحریفات ہو چکی تھیں، لیکن بہت سے احکامات اپنی اصل شکل میں باقی تھے، اور ان کتابوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی گئی تھی، ان میں یہودی بڑی تعداد میں مدینہ منورہ میں مقیم تھے، اور عیسائیوں کی بھی ایک بڑی تعداد آس پاس کے علاقوں میں موجود تھی، یہودیوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اوس وخزرج پر بار بار یہ بات جتلاتے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے اس کے آنے کے بعد ہماری طاقت سب سے بڑھ کر ہوگی، چونکہ اب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ بنو اسحاق میں چلا آرہا تھا اس لیے یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ یہ آخری نبی بھی بنو اسحاق ہی میں ہوگا، گرچہ ان کی کتابوں میں جو پیشن گوئی تھی اس میں بعض اشارات اس کے موافق نہ تھے، مگر یہ ان کے اندر کی خواہش تھی جس کو وہ چھپائے بیٹھے تھے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور اوس وخزرج نے ایمان لانے میں پہل کی، تو یہودیوں کے سینوں پر سانپ لوٹ گیا، ان کو نہ کسی کی برتری گوارہ تھی اور نہ بنو اسحاق سے ہٹ کر کسی کا نبی ہونا گوارہ ہوا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ علامات سے پہچان کر سب سے زیادہ آخری نبی کا استقبال کرتے، اس پر ایمان لاتے، اور معاون بنتے، وہ بجائے اس کے شدید دشمنی پر اتر آئے، اللہ تعالیٰ ایک جگہ ان کی نبیوں کے ساتھ بدعہدی، بدسلوکی، اور ان کے متکبرانہ مزاج کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِن بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ

وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ﴾ (البقرة: ۸۷)

(اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد مسلسل رسول بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کی پھر بھی کیا (ایسا نہیں ہوا کہ) جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسی چیزوں کے ساتھ آیا جو تمہاری من چاہی نہ تھیں تو تم اکڑ گئے تو کچھ (نبیوں) کو تم نے جھٹلا دیا اور کچھ کو قتل کرنے پر لگ گئے)

آگے ان کی ہٹ دھرمی اور اس کے نتیجہ میں اللہ کے غضب کا تذکرہ ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿بِئْسَمَا اشْتَرَوْاْ بِهِ أَنفُسَهُمْ أَن يَكْفُرُواْ بِمَا أَنزَلَ اللّهُ بَغْياً أَن يُنَزِّلُ اللّهُ مِن فَضْلِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَآؤُواْ بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (البقرة: ۹۰)

(بدترین سودا کیا انھوں نے اپنی جانوں کا کہ وہ اس چیز کا انکار کرنے لگے جو اللہ نے اتاری، محض جلن میں کہ اللہ اپنے فضل کو اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے، تو غصہ پر غصہ لے کر وہ پھرے اور انکار کرنے والوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے)

ان نشانیوں کے باعث جو تورات وانجیل میں بصراحت موجود تھیں، ان کو یقین تھا کہ آپ ہی اللہ کے نبی ہیں، مگر اس کے باوجود محض ہٹ دھرمی میں ماننے کو تیار نہ تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءهُمْ وَإِنَّ فَرِيقاً مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ (البقرة: ۱٤٦)

(جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس

طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور یقیناً ان میں کچھ لوگ جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہیں)

یہی بات سورۂ انعام میں بھی کہی گئی:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأنعام: ٢٠)

(جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جنھوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا بس وہی ایمان نہیں لاتے)

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ہٹ دھرمی کی بنا پر ان کے دلوں پر مہر لگادی اور فرمایا:

﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ☆ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ☆ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴾ (آل عمران: ٨٦-٨٨)

(اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے جنھوں نے ماننے کے بعد انکار کیا جبکہ انھوں نے مشاہدہ کرلیا کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں اور اللہ ایسے ناانصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا، ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار ہے، وہ اسی میں پڑے رہیں گے، نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی)

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُواْ بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَواْ وَّإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (البقرة: ۱۳۷)

(تو اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو وہ راہ پر آگئے اور اگر وہ پھرے ہی رہے تب تو وہ بڑی دشمنی میں پڑے ہی ہیں، بس عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان سے نمٹ لے گا اور وہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے)

ماننے پر اللہ کا خاص انعام

اہل کتاب کو نہ ماننے پر جتنی سخت نکیر کی گئی اسی طرح ماننے اور ایمان لانے پر دوہرے اجر و ثواب کا وعدہ بھی کیا گیا، وہ اپنے نبی پر بھی ایمان لا چکے تھے، اب آخری نبی ﷺ کو بھی انہوں نے مانا، آپ پر ایمان لائے تو ان کے لیے دوگنا اجر ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُوراً تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحديد: ۲۸)

(اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو بھاری حصے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے ایسی روشنی فراہم کرے گا جس میں تم چل سکو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)

ایک دوسری آیت میں جہاں ایک طرف کتب سماویہ میں آنحضور ﷺ کی بشارت کا تذکرہ ہے وہیں اہل کتاب کے ایمان لانے پر ان کی کامیابی کا بھی تذکرہ کیا جا رہا ہے، ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (الأعراف: ۱۵۷)

(جو اس رسول کی پیروی کریں گے جو نبی امی ہے جس کا (تذکرہ) وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا پاتے ہیں جو ان کو بھلائی کی تلقین کرے گا اور ان کو برائی سے روکے گا اور ان کے لیے پاک چیزیں حلال کرے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے ان کے بوجھ کو اور ان پر لدی ہوئی بیڑیوں کو اتارے گا، بس جو اس کو مانیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے اور اس کی مدد کریں گے و راس نور کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ اترا تو وہی مراد کو پہنچیں گے)

اس آیت شریفہ میں اہل کتاب پر آپ ﷺ کے خصوصی احسانات کا ذکر کیا جا رہا ہے، گذشتہ شریعتوں میں جو بعض نہایت سخت احکامات تھے، آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کو نرم فرما دیا اور ان کے اوپر لدا ہوا بوجھ اتار دیا، بس اہل کتاب یہود ہوں یا عیسائی ان کو اس آخری نبی اور آخری دین کی قدر کرنی چاہیے، اور اس کو ماننا چاہیے کہ اس میں دنیا میں بھی ان کو سہولت اور کامیابی ہے اور آخرت کی کامیابی کا تنہا یہی راستہ ہے۔

کفار و منافقین کا طرز عمل

اللہ تعالیٰ نے کفار و منافقین کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان کو اللہ

اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ بات نہیں مانتے اور اکڑتے ہیں، گویا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کو کفر ونفاق کی علامت بتایا جا رہا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا﴾ (النساء: ٦١)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ تو آپ ان منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف (آنے میں) اٹک اٹک کر رہ جاتے ہیں)

کفار ومشرکین کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنزَلَ اللّٰهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئاً وَلَا يَهْتَدُونَ﴾ (المائدة: ١٠٤)

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے اتارا اس کی طرف اور رسول کی طرف آجاؤ (تو) وہ کہتے ہیں کہ ہم نے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہم کو کافی ہے خواہ ان کے باپ دادا ایسے ہوں کہ نہ کچھ جانتے ہوں اور نہ صحیح راہ چلتے ہوں)

اطاعت رسول پر سب سے بڑا انعام خداوندی

دین کی جان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے، شاعر نے خوب کہا ہے:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو پھر دیں نامکمل ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر جس تحفہ کا اعلان فرمایا ہے وہ کسی

چیز پر نہیں مل سکتا، یہ آنحضور ﷺ کی محبوبیت کی انتہاء ہے کہ ارشاد فرمادیا:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (آل عمران: ۳۱)

(آپ فرمادیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری راہ چلو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت مغفرت کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے)

اس سے بڑھ کر شان محبوبیت کیا ہوگی کہ آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی محبوبیت کی علامت قرار دیا، ترغیب کے باب میں اس سے زیادہ اور کون بات ہوسکتی ہے، اس سے ایک طرف اطاعت رسول ﷺ کی انتہائی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف آنحضور ﷺ کی انتہائی محبوبیت کا بھی، اب یہ بات ظاہر ہے کہ یہ اطاعت جتنی زیادہ مکمل ہوگی اللہ کی طرف سے اسی اعتبار سے محبوبیت حاصل ہوگی، آپ ﷺ نے قرآن مجید کی جو تفسیر فرمائی، دین کی جو تشریح فرمائی اور اپنے قول وعمل سے امت کے لیے اس کو کھول دیا اس کے ایک ایک جز پر عمل کرنا امت کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ جو شخص آنحضور ﷺ کی چال ڈھال، آپ کے عادات واطوار کا بھی شیدائی ہوگا، آپ ﷺ کی ایک ایک ادا کو اختیار کرے گا، اور حیات طیبہ کی ہر ہر خوشبو سے مشام جان کو معطر کرے گا، وہ اتنا ہی زیادہ محبوب الٰہی بنتا چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہوں کو بخش دیں گے، اور اگر کبھی بھول چوک ہوئی تو معاف فرمادیں گے، مگر شرط یہی ہے کہ اطاعت مکمل ہو، اور کوشش یہ کی جائے کہ سرمو اس سے انحراف نہ ہو۔

اسوۂ حسنہ

قرآن مجید میں جابجا اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے، اتباع کے باب میں یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ جس کی اتباع کرنی ہے وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا

نمونہ رکھتا ہو جو ہر ایک کے لیے کشش کا باعث ہو، جس کو دیکھ کر اپنی زندگی کے نشیب و فراز سمجھ میں آئیں، جس کی روشنی تاریکیوں کو دور کر دے اور راستہ روشن کر دے، جو ایسی کامل اور مکمل انسانی زندگی کا راہبر ہو جس کی رہنمائی میں سخت گھاٹیاں بھی طے ہو سکیں، خلاق عالم ساری انسانیت کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(الأحزاب: ۲۱)

(یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول (ﷺ) میں بہترین نمونہ موجود ہے)

کمال سے اعتدال پیدا ہوتا ہے، اور اعتدال کمال کی نشانی ہے، اور حسن کمال کا نتیجہ ہے، ''اسوۂ حسنہ'' حسنہ جب ہی ہوتا ہے، جب وہ کامل و مکمل ہو، اللہ کے آخری رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کے حسن کا مجموعہ بنایا۔

حسن یوسف، دم عیسی، ید بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تمام انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی قوموں کے لیے نمونہ بنایا، لیکن خاتم النبیین ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے اور قیامت تک کے لیے نمونہ قرار دیا، اور آپ ﷺ کی ذات والا صفات کو ہر طرح کے حسن ظاہر و باطن کا ایسا مظہر اتم قرار دیا کہ اس جیسا نہ پہلے ہوا، نہ ہے، نہ ہوگا۔

کوئی کسی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو وہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، خاص ہو یا عام، وہ کسی کا باپ ہو یا کسی کا شوہر، وہ کسی کا بھائی ہو یا عزیز، چھوٹا ہو یا بڑا، غرض جو بھی ہو اس کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی میں نمونہ موجود ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے نہایت بلیغ اسلوب میں رقم طراز ہیں:

''اگر دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو،

اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو، اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ سالار پر نگاہ دوڑاؤ، اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکۂ احد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بے کسی کے عالم میں حق کی منادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو فاتح مکہ کا نظارہ کرو، اگر اپنے کاروبار اور دنیاوی جد و جہد کا نظم و نسق کرنا چاہتے ہو تو بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبد اللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو حلیمہ سعدیہ کے لاڈلے بچے کو دیکھو، اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار میں ہو تو بصریٰ کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچایتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب برابر تھے، اگر تم بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہ اور عائشہ کے

مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن وحسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لیے نمونہ اور تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لیے ہدایت کا چراغ اور راہنمائی کا نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہمہ دم مل سکتا ہے"۔(۱)

مدینہ منورہ کے وہ دن جب قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں، سخت سردی کا زمانہ، عسرت کا دور، خندق کھودی جا رہی ہے، فاقہ کشی کا عالم ہے، لوگ پیٹ پر پتھر باندھنے پر مجبور ہیں، ایک اللہ کا بندہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا یہ حال عرض کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پیٹ کھول کر دکھاتے ہیں کہ اس میں دو دو پتھر بندھے ہیں، ایک صحابی خندق کھودنے میں مصروف ہیں، مضبوط چٹان حائل ہو جاتی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حال میں تشریف لے جاتے ہیں اور ایک ہی وار میں وہ چٹان تودہ خاک ہو جاتی ہے، اور اس سخت عسرت کے وقت ان کی مبارک زبان سے نکلتا ہے کہ مجھے کسریٰ وقیصر کے محلات دیئے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، آپ کا نمونہ ان حضرات کے سامنے ہے، سخت سے سخت حالات میں بھی ان کے پاؤں میں لغزش نہیں ہوتی، اور یہ آیت شریفہ اترتی ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

وہ سب کے سب اللہ سے ملاقات کے مشتاق اور آخرت کے دن کا یقین رکھنے والے ہیں، اللہ کے یہاں بے حساب نعمتوں کے لیے، ہر طرح کی قربانی کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں، وہ ایمان رکھتے ہیں کہ وہاں کی کامیابی صرف اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے

---

(۱) ماخوذ از: خطبات مدراس، ص: ۸۵-۸۶

میں ہے، اس کو اپنی زندگی میں لانے کے لیے وہ سب کچھ نچھاور کر سکتے ہیں۔

یہ اسوۂ حسنہ زندگی کے تمام لمحات کے لیے ہے، وہ خوشی کے لمحات ہوں یا غم کے، راحت و آرام کے دن ہوں یا مشقت و عسرت کے، دوستوں کے ساتھ برتاؤ ہو یا دشمنوں کے ساتھ، عزیزوں کے ساتھ ہو یا غیروں کے ساتھ، آنحضور ﷺ کی مبارک زندگی ہر حال میں نمونہ ہے، اور ہر ایک کے لیے ہے۔

مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ دشواریوں سے بھری زندگی ہے، آنحضور ﷺ دعوت پیش کرتے ہیں تو آپ ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں، طائف کے بازار میں آپ ﷺ کے تن مبارک کو زخمی کیا جا رہا ہے، آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازشیں رچی جا رہی ہیں، مگر اس رحمت کا عالم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے، صحابہ اس کا نمونہ ہیں، ان میں کمزور بھی ہیں اور طاقتور بھی، ان میں بدلہ لینے کی صلاحیت رکھنے والے بھی ہیں، مگر اسوۂ حسنہ ان کے سامنے ہے، سب کچھ سنتے ہیں سہتے ہیں، اور حضور ﷺ کے طریقہ سے انحراف نہیں کرتے۔

بدر کا میدان ہے، دشمنوں کا لشکر جرار ہے، تین سو تیرہ بغیر کسی تیاری کے آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے چشم و ابرو کے منتظر ہیں، اور اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوگی کہ حدیبیہ میں صلح ہو رہی ہے، آپ کے متوالے آپ کے سامنے ہیں، بیت اللہ کے شوق میں نکلے ہیں، مگر حکم نبوی کے آگے سر خم ہیں، آپ نے احرام اتارا، سر مبارک میں حلق کروایا، آپ کا اسوہ ہی نجات کا ضامن ہے، اتنی تیزی سے سر منڈوائے جانے لگے کہ لگتا ہے کہیں جلدی میں سر کٹ نہ جائے، (۱) اس وقت موقع تھا ان کی طرف سے اجازت ہوتی تو مکہ والوں سے دو دو ہاتھ کرنا کیا مشکل تھا، مگر آپ ﷺ کے فیصلہ کے آگے پھر کس چیز کی گنجائش ہے۔

غرض یہ کہ آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ صحابہ نے جس ایمان و یقین کے ساتھ اختیار

---

(۱) ملاحظہ ہو: صحیح البخاری: ۲۷۳۱

کیا، وہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ کی عملی تفسیر بھی ہے، اور قیامت تک آنے والوں کے لیے ایک حسین تعبیر بھی، جو بھی اس کو دیکھے گا اس کو پڑھے گا وہ آگے بڑھے گا، اور بڑھتا ہی چلا جائے گا۔

یہ ایک عملی دعوت بھی ہے، ایک طرف قرآن ہے دوسری طرف آپ کی حسین زندگی ہے، جو قرآن کا مرقع ہے، قرآن مجید کے پڑھنے والے کفر وشرک کی دنیا میں کتنے ہیں، مگر آپ ﷺ کی مبارک زندگی کا عکس دِکھنے والے ہزاروں ہیں، جو بھی اس سانچہ میں ڈھل جائے اور اسوۂ حسنہ کی تفسیر بن جائے وہ اللہ کے یہاں بھی مقبول ہے، اور اس کی زندگی عالم انسانیت کے لیے چلتی پھرتی دعوت ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ کی ندا صحابہ نے بھی سنی اور دل میں بسالی، زندگی اس کے مطابق بنائی، اور رہتی دنیا تک کے لیے ایک نمونہ زندگی چھوڑ گئے۔

یہ ندا قیامت تک آتی رہے گی جس کو بھی اللہ سے ملاقات کا اور آخرت کے دن کا یقین ہو اور وہ اللہ کا خوب ذکر کرتا ہو، اس کا دھیان رکھتا ہو، وہ اس ندا پر لبیک کہے، اور اپنے ہر طرز نبوی کو اس نبوی سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے، جو ہر انسان کے لیے انسان کامل کا ایک ایسا مکمل نمونہ ہے جو نہ کوئی پیش کر سکا ہے اور نہ قیامت تک پیش کر سکے گا۔

فیصلہ کن

نبی اکرم ﷺ کی اتباع ایمان کی علامت ہے، اور آپ کا اسوۂ حسنہ تمام انسانوں کے لیے روشنی کا مینار ہے، تمام ایمان والوں کو یہ لازم ہے کہ وہ ہر حال میں آنحضور ﷺ کی بات مانیں، آپ کی پیروی کریں اور اپنے دلوں اور دماغوں کو ان مبارک احکامات کے لیے ایسا ڈھال لیں کہ خواہ ظاہری طور پر کتنا ہی نقصان نظر آتا

ہو، دنیا کی دولت وعزت رخصت ہوتی ہوئی نظر آتی ہو، لیکن فرمان رسالت کے آگے ہر چیز ہیچ ہو، اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سامنے آجائے سر تسلیم خم کر دیا جائے، اور دل ودماغ کو اس پر پوری طرح مطمئن کر لیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء: ٦٥)

(بس نہیں آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم کر دیں)

آپ کا ہر فیصلہ حقیقت میں فیصلہ الٰہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے:

﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ (المائدة: ٤٩)

(اور آپ تو ان کے درمیان جو اللہ نے اتارا اس کے مطابق ہی فیصلہ کرتے رہیے)

متعدد مواقع ایسے آئے کہ مشرکین مکہ نے اور پھر منافقوں نے چاہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرائیں مگر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی حقیقت سے آگاہ فرما دیا، اور لوگوں کی چرب زبانی ان کے کچھ کام نہ آسکی۔

عظمت واطاعت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کون ایمان والا اس سے واقف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف فرما ہیں لیکن جذبۂ اطاعت کو ابھارنے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی جا رہی ہے تاکہ عظمت رسالت دل میں بیٹھ جائے اور اطاعت کا

جذبہ پیدا ہوجائے، اللہ کی طرف سے یہ احسان جتلایا جارہا ہے کہ تمھیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں موجود ہیں، تم براہ راست مستفید ہورہے ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہے، تمام کے تمام تشریعی احکامات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں، ان میں کسی کی رغبت اور خواہشات کو دخل نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو رائے قائم فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر طرح کے مصالح اور ضروریات کے جاننے والے ہیں، علیم وخبیر ہیں، جو حکم بھی رسول کی جانب سے دیا جائے، اس میں چوں چرا کی گنجائش نہیں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود رائے طلب فرمائیں یا آپ کو مشورہ دیا جائے اور اس میں کسی قسم کا اصرار نہ ہو تو اس کی اجازت ہے، اس کے متعدد واقعات حدیث وسیرت میں موجود ہیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا مشورہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا(۱) غزوۂ خندق کے موقع پر خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مشورہ لیا(۲) غزوۂ احد کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مدینہ میں قیام کی تھی لیکن وہ صحابہ جو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار تھے(۳) انھوں نے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کی رائے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طیب خاطر کے لیے ان کی رائے قبول فرمالی، اس کا کچھ نقصان بھی ہوا، غزوۂ احد میں بڑے بڑے صحابہ کرام شہید ہوئے، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اگر یہ اندازہ ہوجاتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اس میں ہے تو فوراً سر تسلیم خم کردیتے اور اگر

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/۳۷۸ (۲) زادالمعاد، کتاب الجهاد والمغازی، فصل رأی سلمان بحفر الخندق/ ۲۴۰ (۳) زرقانی ۲/۲۵

کوئی مشورہ کی بات ہوتی تو مشورہ بھی دیتے، حضرت بریرہؓ جو حضرت عائشہ کی خادمہ تھیں، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خانگی مشورہ دیا، انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! یہ آپ کا حکم ہے یا صرف خانگی مشورہ ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم نہیں صرف مشورہ ہے تو انھوں نے معذرت فرمالی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا، حکم نہیں دیا۔(۱)

اسوۂ کاملہ

یہ ساری تفصیل اس زمانہ تک محدود تھی جب احکامات شریعت نازل ہو رہے تھے، ان میں کبھی رد و بدل بھی ہوتا، احکامات منسوخ بھی ہوتے، لیکن تئیس سال کی مدت میں جب یہ شریعت مکمل ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گیے تو یہ پورا نظام متعین ہوگیا، اب کسی حکم میں تبدیلی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اور نہ اس کی گنجائش باقی رہی کہ کسی مسئلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دریافت کیا جاسکتا ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز تفصیلی طور پر بیان فرمادی، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام شریعت کی پیروی ہر امتی کا فرض ہے، اور جو کچھ منقول ہے وہ حکم شریعت ہے، یہ تقسیم اب کسی طرح ممکن نہیں کہ کسی مسئلہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری رائے کہہ کر چھوڑ دیا جائے، کوئی اگر ایسا سوچتا یا رائے رکھتا ہے تو یہ اس کے لیے خطرے کی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۂ کاملہ ہیں، آیت شریفہ میں خطاب براہ راست حضرات صحابہؓ سے ہے، لیکن بالواسطہ پوری امت کو خطاب کیا جارہا ہے، اور جس طرح قرن اول میں ترتیب بدل جانے کے نتیجہ میں حیرانی و سرگردانی کا خطرہ تھا وہ خطرہ آج بھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری امت کے لیے مطاع بنایا گیا، ہر امتی کی حیثیت بنیادی طور پر مطیع کی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ

(۱) صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی حیثیت بھی مطاع کی ہے،علمائے امت کو نائبین رسول اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے حامل ہیں، ان کے ان فیصلوں میں جو قرآن وسنت سے مأخوذ ہوں ان کی پیروی بھی لازم ہے، درحقیقت یہ ان کی پیروی نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔

اطاعت مطلقہ

جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیات طیبہ میں مطاع تھے،اسی طرح آج بھی مطاع ہیں،اور آپ کی اطاعت کا مظہر آپ کی شریعت کا اتباع ہے اور جس طرح آپ کی حیات طیبہ میں آپ کی رائے کو کسی کی خواہش وضرورت یا مصلحت کی خاطر تبدیل کردینے میں سخت حیرانی کا اندیشہ ہے،قرآن مجید میں صاف کہہ دیا گیا ہے: ﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ﴾ ''اگر وہ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بہت سے امور میں تمہاری بات مانیں تو تم چکر میں پڑ جاؤ۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چونکہ اس کا احتمال تھا کہ صحابہ کی رائے اختیار کی جاتی اور مشاورت ہوتی، اس لیے ''فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ'' فرمایا گیا،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس کا کوئی احتمال باقی نہیں رہا، اس لیے کسی بھی منصوص حکم شرعی میں ایسی گفتگو کی بھی گنجائش نہیں، جس طرح کتاب وسنت میں وہ حکم منقول ہے اسی طرح اس کو باقی رکھنا اور عمل کرنا اور کرانا علمائے امت کی ذمہ داری ہے۔

موجودہ دور کا یہ ایک بڑا فتنہ ہے کہ بہت سے نام نہاد علماء یا وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو کتاب وسنت سے ناواقف ہے،بعض مرتبہ منصوص احکامات شرعیہ کے بارے میں ایسی رائے کا اظہار کرتا ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اور اگر وہ رائے تسلیم کرلی جائے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مطاع کی نہیں رہ جاتی، بلکہ اس میں اپنی رائے کو ان کی رائے پر غالب کرنا ہے،اور اس کے نتیجہ میں امت کے

لیے حیرانی کے سوا کچھ نہیں، آج ایک رائے ہے، کل دوسری رائے سامنے آئے گی، اور شریعت کھلواڑ بن کر رہ جائے گی، اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا، قرآن مجید میں اس کے لیے "عنت" کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس میں مشقت شدیدہ کا بھی مفہوم ہے، اور اختلال کا بھی، یعنی سخت دشواری کے نتیجہ میں آدمی چکرا کر رہ جائے گا، اس کو پھر کوئی سرا نہ مل سکے گا، امت کے ہر ہر فرد کی ذمہ داری ہے، خواہ کسی طبقہ سے اس کا تعلق ہو، شریعت مطہرہ سے اس کا تعلق کبھی ٹوٹنے نہ پائے، اس لیے کہ جب ایک مرتبہ آدمی تاریکی میں پڑ جاتا ہے تو پھر اس کو راستہ ملنا سخت دشوار ہو جاتا ہے: "ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور" (اللہ جس کو روشنی نہ دے اس کو روشنی کہاں سے ملے گی؟!)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ براہ راست فیصلے فرماتے تھے، اور اس کو ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا سننے والوں پر لازم تھا، اگر کوئی اس سے انحراف کرتا تو اس کے نفاق کی کھلی علامت سمجھی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ارشادات کو فیصلہ کن قرار دیا، اور ان پر شرح صدر کے ساتھ عمل کو ضروری فرمایا، آیت شریفہ میں بڑی تاکید کے ساتھ قسم کھا کر یہ بات فرمائی جا رہی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾

(بس ہرگز نہیں، ان کے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے نزاعات میں آپ سے فیصلے نہ کرائیں)

آیت کا شان نزول جو بھی ہو اس میں جو حکم دیا جا رہا ہے ہر شخص کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت، آپ کے ارشادات، آپ کی سنن فیصلہ کن ہیں، ان کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

اجتماعی زندگی میں اختلافات کا پیدا ہونا عام بات ہے، مزاجوں کا فرق، خیالات وافکار کا مختلف ہو جانا تعجب کی بات نہیں، لیکن اس میں جب دولت وعزت کی ہوس گھر کر لیتی ہے تو جھگڑے بڑھتے ہیں، بات گالی گلوج تک اور کبھی قتل و غارت گری تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ حدیث میں ہے:

"سباب المسلم فسوق وقتاله کفر"(۱)

(مومن کو گالی دینا گناہ کی بات ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے)

اس کے باوجود اچھے اچھے دینداروں میں یہ برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور کبھی دین کا لیبل لگا کر یہ سب کام کئے جاتے ہیں، اور اپنی بات کی پچ کی جاتی ہے، اور کچھ ایسے بھی نافرمان ہوتے ہیں جو کھلے عام شریعت کی نافرمانی کرتے ہیں، اور اپنی دولت اور عزت بڑھانے کے لیے ہر طرح کے سچ، جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں، اور دوسروں کی عزت لینا چاہتے ہیں یا دنیا کے حصوں کے لیے دوسروں کا حق مارتے ہیں، اور لڑتے جھگڑتے ہیں۔

آیت شریفہ میں ہر قسم کے لوگوں کو ہدایت دی جارہی ہے جب بھی جھگڑے پیدا ہوں تو اس کا فیصلہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے، آپ کی سیرت فیصلہ کن ہوگی، جو قیامت تک زندہ رہے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طرز عمل، ہر ارشاد اور ہر تعلیم زندہ ہے، اور قیامت تک کے لیے اللہ نے اس کے تحفظ وبقاء کا فیصلہ فرمادیا ہے، وہ سب کے لیے رہنما اور فیصلہ کن ہے، ہر مسئلہ میں وہ چھوٹا ہو یا بڑا، انفرادی ہو یا اجتماعی، اس کا تعلق گھریلو جھگڑوں سے ہو یا اجتماعی اختلافات سے جو جھگڑوں تک پہنچ جاتے ہیں، ان تمام مسائل میں فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی چلے گا، یہی ایمان کی علامت ہے اور یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی سیرت، آپ کی سنت، آپ کے ارشادات وتعلیمات ہی فیصلہ کن ہیں، البتہ

---

(۱) صحیح البخاری: ۴۸

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے مزاج وفکر کو آنحضور ﷺ کے مزاج وفکر میں اور آپ ﷺ کے طریقہ کار میں ڈھالا جائے اور سیرت کا اس نظر سے مطالعہ کیا جائے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے، اور اس کی روشنی میں اپنے جھگڑوں کا تصفیہ کیا جائے، ورنہ ایمان کا محض دعوی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ نے بات بالکل صاف کردی کہ جب تک آپ ﷺ کے احکامات اور آپ کے فیصلوں پر پورا اطمینان نہ ہوجائے اور دل ودماغ کو اس پر مطمئن نہ کرلیا جائے اس وقت تک ایمان مشتبہ ہے، ﴿وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے جھک جانا، سر تسلیم خم کردینا اور اس پر پرسکون ہوجانا ضروری ہے۔

ایک دوسری آیت میں پوری وضاحت کردی گئی ہے کہ ایک ایمان والا مرد ہو یا عورت وہ اپنا اختیار اللہ کے رسول ﷺ کے حوالہ کرچکا، اب خود اس کو کوئی اختیار باقی نہیں رہا، جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہو اس کے مطابق بہرصورت عمل کرنا ہے، ورنہ جو نافرمانی پر آمادہ ہوجاتا ہے تو اس کو سخت گمراہ کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً﴾ (الأحزاب: ٣٦)

(اور جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کردیں تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اپنے معاملہ میں بااختیار رہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا)

ایمان کا تقاضہ

مسئلہ عقائد کا ہو، عبادات کا ہو یا معاملات ومعاشرت کا ہو، شادی بیاہ کا ہو، خوشی

کا ہو یا غمی کا، ہر مسئلہ میں رجوع کرنا ہوگا اور آنحضور ﷺ کے احکامات کو دیکھنا ہوگا اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہوگا، نفس کے تقاضے ایک طرف، عرف و عادت اور رسم و رواج ایک طرف، لیکن جب بھی سامنے اللہ کے رسول ﷺ کا حکم آجائے، یہ ہے ایمان کا تقاضہ بلکہ ایمان کی علامت ہے، کتنا ہی ظاہر میں نقصان نظر آتا ہو، مگر ہوگا وہی جو آپ ﷺ کا فرمان ہو، جب زندگی میں یہ رنگ آجائے گا تو ایمان پختہ ہو جائے گا، پھر کوئی اس کی بولی نہیں لگا سکتا، یہی ہر مسلمان کی شان ہے، اور یہی اس کی پہچان ہے، اور یہی اللہ کا فرمان ہے۔

10.12.2016

خطبات دکن سیریز

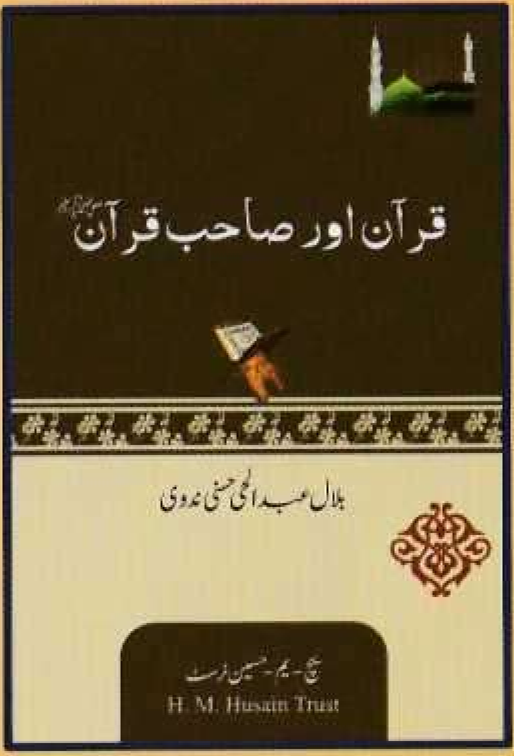

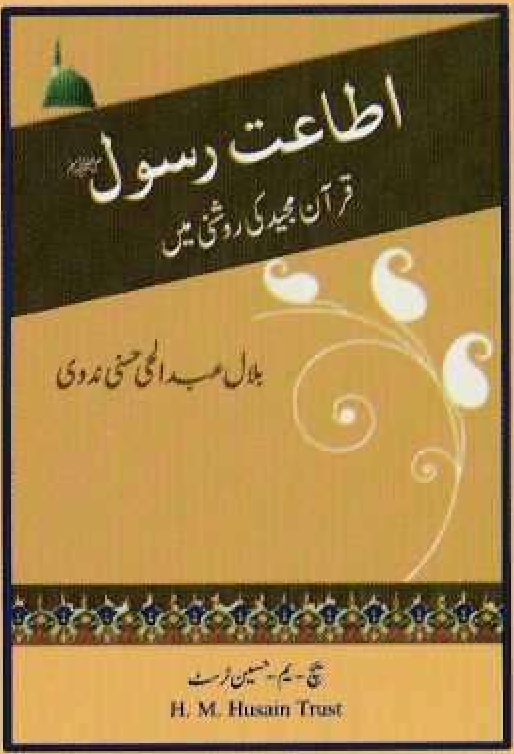

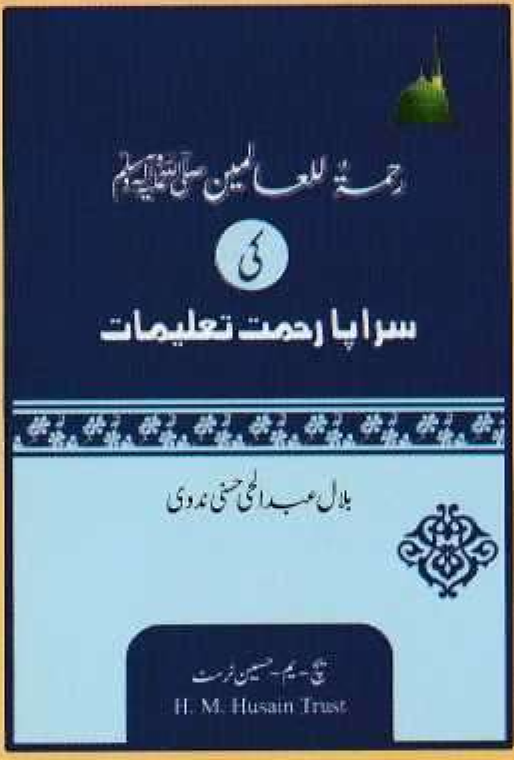

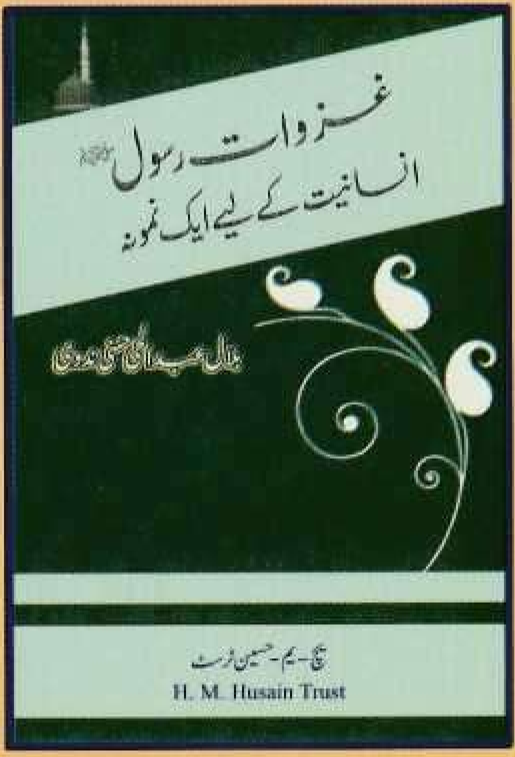

ایچ۔ایم۔حسین ٹرسٹ

H. M. Husain Trust

E-Mail: hmhamuwash@yahoo.com

Cell: +91-7095168679